کتاب کا سبق

تکمیلِ تشریعات: حج اور جہاد

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ. وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلاَ تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ. فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ. وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلاَ عُدْوَانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِينَ (البقرة: 189-193)

تم سے چاندوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو: یہ تاریخیں ہیں لوگوں کے لیے۔ اور حج کے لیے۔ یہ کچھ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑے سے آؤ۔ نیکی یہ ہے کہ کوئی اللہ کی ناراضی سے بچے۔ گھروں میں ان کے دروازوں سے ہی آیا کرو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے؛ تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

اور لڑو اللہ کے راستے میں ان سے جو تم سے لڑیں۔ اور زیادتی نہ کرو۔ یقیناً اللہ زیادتی والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مارو ان کو جہاں ان کو پاؤ، اور نکال دو ان کو جہاں سے اُنھوں نے تم کو نکالا، اس لیے کہ قتل اگرچہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی برا ہے۔ اور نہ لڑنا

اُن سے مسجد حرام کے پاس تاوقتیکہ وہ تم سے وہاں لڑیں۔ ہاں اگر وہ لڑیں تو انہیں مار ڈالو۔ یہی ہے جزا ایسے کافروں کی۔

پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

ان سے لڑتے رہو جب تک سارا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور جب تک دین صرف اللہ کا نہ ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں، تو زیادتی جائز نہیں سوائے ظالموں پر۔

روزہ اور اس سے متعلقہ مباحث ختم ہوئے تو حج اور جہاد کے مباحث شروع ہو گئے۔ البقرۃ قرآن کی وہ منفرد سورت ہے جس میں اسلام کے پانچوں ارکان تفصیل سے بیان ہوئے۔ چنانچہ سورۃ کی اپنی ترتیب میں... حج اور جہاد کے بعد، اور اس کے دوران، تاریخِ ہدایت و ضلالت کا کچھ ذکر کر دینے کے بعد، روئے خطاب خانگی، مالیاتی اور دیوانی تشریعات کی طرف پھر جاتا ہے۔

یہ بہت سے امور ظاہر ہے تاریخوں پر انحصار کرتے ہیں۔ بہت سی عبادات مانند روزہ، زکاۃ، حج، نذریں، عیدین... بہت سے کفارات... پھر عدّتیں... حرام مہینے، معاہدے، جنگ بندیاں... لین دین کی مدتیں، نفقہ کے دورانیے... قضاء (عدالتی معاملات) سے متعلقہ امور... سب کے لیے ماہ وسال کی پیمائش درکار ہے۔ چنانچہ فرمایا: تاریخیں رؤیتِ ہلال سے طے ہوں گی۔ زمانے کی پیمائش کا ایک سادہ و قدرتی انتظام۔ تیس کے تیس دن چاند ایک نئی پوزیشن پر، جسے ایک اَن پڑھ صحرائی بھی دیکھ اور شمار کر سکے اور دور دراز پہاڑی خطوں کا ایک رہائشی بھی۔ کسی لمبے چوڑے حساب اور جنتری کی ضرورت ہی نہیں۔ وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ (یونس:6) ”اور چاند کو چمکتا کیا۔ اور مقرر کیں اس کی پوزیشنیں؛ تاکہ معلوم کرو تم سالوں کا شمار اور (کاموں کا)

حساب"۔ یوں زمین تہذیب کی پرورش کے لیے ہزارہا پہلو سے ایک فرش ٹھہری۔

سورۃ البقرۃ کو اگر ہم ایک مرکزی عنوان دے سکیں تو وہ ہے: امامتِ تہذیب۔

(تہذیب: یعنی تعمیرِ ارض: اپنے نظریاتی پہلوؤں سے بھی، تشریعی پہلوؤں سے بھی، انتقالِ امامت کے پہلو سے بھی، نیز وہ کیا راز ہیں جن کے دم سے یہ زمین میں دوام اختیار کرے گی، نیز کس ذریعہ سے یہ کرۂ ارض پر تمکین پائے گی؛ اور درحقیقت اِس (تعمیر و تہذیبِ ارض) کا سارا عمل کسی جہانِ آخرت و حیاتِ ابدی کے لیے ایک امتحان گاہ کا درجہ رکھتا ہے نہ کہ بجائے خود کوئی چیز۔ پس یہ ایک حیاتِ جاودانی کا ہی مادۂ اصلی ہے)۔

اِس امامتِ تہذیب کے لیے جو مختصر ترین لفظ ہے وہ ہے: ہدایت۔ (مہتدی ہونے کے معنیٰ میں بھی اور ہادی ہونے کے معنیٰ میں بھی)۔

پس سورۃ البقرۃ کے دم سے اِس جہانِ ارضی کو جو روشنی ملی وہ اس سے پہلے کبھی اِس کو نصیب نہ ہوئی۔ "عبادت" جس خوبصورتی سے یہاں "تہذیب" میں ڈھلتی ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ آسمانی مشعل ــــ بذریعہ سورۃ البقرۃ ــــ پہلی امتوں سے لے کر قیامت تک کے لیے اب اِس امت کو تھمادی گئی ہے۔

تمدن (انسانوں کے اختلاط و معاملۂ باہمی) کا ایک اہم قابل ذکر حوالہ جنتری ہے۔ قومیں اپنی شناخت کے لیے 'کیلنڈر' پر اچھا خاصا انحصار کرتی ہیں۔ حج کرنے والی امتِ وسط کو یہاں ایک تقویم بھی دے دی گئی ہے۔ حسابِ ایام (جنتری) کا چاند سے وابستہ رہنا فطرت کے بے حد قریب ہے۔ 'فطرت' تو گویا اِس دین اور اِس امت کی گھٹی میں سمو دی گئی ہے۔ شبِ معراج بھی، 'فطرت' کا یہ سبق، دودھ اور شراب کے تقابل کی صورت میں، خصوصی طور پر ذہن نشین کرایا گیا۔

حسابِ وقت کے موضوع پر: قرآنی تعلیم دیکھیں تو سورج دن کی پیمائش کے لیے ہے اور چاند ایام کی گنتی کے لیے۔ ہر دو: فطرت۔

دورِ حاضر کی تعبیر استعمال کریں تو: سورج کو وقت بتانا ہے اور چاند کو تاریخ۔ گھڑیوں کا حساب سورج سے۔ اور مہینوں اور سالوں کا حساب چاند سے۔

پس نماز کیلئے سورج کی پوزیشن دیکھی جائے گی اور زکاۃ و حج کیلئے چاند کی۔ جبکہ روزہ بیچ میں۔ روزہ کی تاریخ چاند کے حساب سے اور روزہ کھلنا اور بند ہونا سورج کے حساب سے۔

سورج چونکہ ہے ہی ساعتوں کے تعین کے لیے، اس لیے یہ پل پل کا فرق بتانے پر دلیل ہو گا۔ منٹ منٹ کا فرق یہاں معتبر ہو گا۔ آپ کے قریب سے قریب کا شہر بھی عین آپ والے وقت پر سحر وافطار نہ کرے گا؛ ایک آدھ منٹ کا فرق آ ہی جائے گا۔ یہی معاملہ نمازوں کے اوقات کا ہو گا (منٹوں اور سیکنڈوں تک کا فرق یہاں معتبر ہو گا)۔

جبکہ چاند کا کام تاریخ بدلنا، جو کہ وہ کرۂ ارض کے گرد اپنا ایک چکر پورا کر لینے کے بعد ہی بدلے گا اور جو کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک بار لازماً ہو جاتا ہے؛ گھڑی دو گھڑی کے فرق سے چاند کا کچھ لینا دینا نہیں۔ پورے کرۂ ارض پر تاریخ چوبیس گھنٹے میں ایک ہی بار بدلتی ہے۔ جس طرح پورا کرۂ ارض ایک ہی دن 'روزِ جمعہ' کرتا ہے اور ساعتوں کا فرق پورے روئے زمین پر ایک ہی دن 'جمعہ' ہونے میں کچھ مانع نہیں، جس طرح پورے کرۂ ارض پر 'یکم جنوری' ایک ہی دن میں آ کر گزر جاتا ہے اور گھڑیوں کا فرق پورے کرۂ ارض پر 'یکم جنوری' ہونے میں نہ تو کچھ بھی مؤثر ہے اور نہ باعثِ اشکال... کچھ مانع نہیں کہ عین اسی طرح پورے کرۂ ارض پر 'یکم محرم' ایک دن میں آ کر گزر جائے اور گھڑیوں کے فرق سے اس کو کچھ فرق نہ آئے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایک ہی کرہ پر دو دو تین تین دن 'یکم محرم' چلتا رہے! کوئی مانع ہو سکتا ہے، اور بڑی دیر تک رہا ہے، تو وہ رؤیت کی اطلاع یا عدم اطلاع ہے۔ (یہاں سے یہ اشکال باطل ہو جاتا ہے کہ 'بارڈر'[1] پار کی رؤیتِ ہلال پر روزہ اور عید

---

[1] ایک گھٹتی بڑھتی اور کسی بھی وقت تبدیل ہو سکنے والی چیز: 'بارڈر'، جو کہ آج عبادات تک میں

کرنے لگیں تو کیا نماز بھی وہیں کے وقت پر پڑھیں گے اور سحر و افطار بھی وہیں کے وقت پر کریں گے؟ ہم ان سے کہتے ہیں: یہ کوئی دلیل ہے تو بارڈر کے اِدھر (’اپنے‘ ملک کے) کسی دوسرے شہر کے وقت پر آپ سحر و افطار کر کے دکھا دیں! یہ دلیل تو خود آپ پر الٹی پڑتی ہے! وجہ وہی کہ یہ حضرات چاند کے احکام کا سورج کے احکام کے ساتھ خلط کرتے ہیں)۔

دخیل ہے! لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

سوال یہ ہے کہ اختلافِ مطالع اگر کوئی شرعی حقیقت ہے بھی... تو اس کی کوئی اپنی قدرتی جغرافیائی حدبندی ہونی چاہیے، یعنی کوئی طول بلد اور عرض بلد وغیرہ، نہ کہ کوئی سیاسی بارڈر۔ (بھٹو اور مجیب ایسے two culprits دو گھناؤنے کرداروں کے دستخط آپ کے روزہ اور قربانی کی تاریخ اور خواتین کی عدتوں اور شرمگاہوں کی تحلیل و تحریم کے فیصلے کریں!)

آپ کے اِس ’یو این‘ نقشے میں تو ملکوں کے سائز اتنے مختلف ہیں کہ یہاں کا ایک ملک کسی دوسرے ملک سے کئی کئی سو گنا بڑا بھی ہوتا ہے۔ یہ بات ہر کسی کو تسلیم ہے کہ جغرافیائی مسافتوں یا لینڈ سکیپ land scape کے حوالے سے ریاستوں کی یہ تقسیم دنیا میں کسی قاعدے اور قانون پر نہیں۔ پس یا تو یہ بارڈرز چاند کے طبعی مطالع کی بنیاد پر کھینچے گئے ہوں، مگر جب ایسا نہیں تو ’چاند کے مطالع کا طبعی فرق‘ (اگر کوئی شرعی دلیل ہے بھی) تو اس کا اطلاق آج کے اِن نیشن سٹیٹ بارڈرز پر کیسے؟ حیرت کی حد ہے، **دلیل دیں گے مطالع کی ’طبعی تقسیم‘ کی مگر اُس سے ثابت کریں گے سیاسی بارڈرز پر مبنی مطالع!!!** سوال یہ ہے کہ شرعی عبادات کا سیاسی بارڈرز کے گھٹنے بڑھنے سے کیا تعلق؟ یعنی ان سیاسی بارڈرز میں کسی وقت کوئی فرق آنے سے ایک بستی کے لوگوں پر ایک چیز (کھانا پینا، یا کسی عورت کی عدت ختم باور کرتے ہوئے اس سے نکاح) جو اس دن حرام بنتا تھا کس دلیل سے اب حلال ہو جائے گا اور اس کی جگہ نہ کھانا پینا ان پر حرام ہو جائے گا؟ ہمارے نیشنل مطالع کے داعی حضرات مسافتوں اور لینڈ سکیپ والی دلیل دینے کی بجائے یہ گھنڈی کسی طرح حل کر دیں تو مشکور ہوں۔

وَالْحَجِّ ”نیز حج کے لیے“

حج عرب زندگی کا پورے سال کا مرکزی ترین واقعہ تھا۔ خود اسلامی تقویم وضع کرتے وقت صحابہؓ نے اسی بات کو پیش نظر رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تجویز تھی کہ حج پر ارکانِ اسلام مکمل ہو جاتے ہیں لہٰذا اختتامِ سال اسی پر ہونا چاہیے۔ سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذوالحجہ کو بارھواں مہینہ ٹھہرا دیا اور محرم کو پہلا۔ یہاں سے مسلم زندگی میں تکمیلِ سال پر تکمیلِ دین کا بھی ایک معنیٰ آ جڑا۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ”یہ کچھ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑے سے آؤ۔ نیکی یہ ہے کہ کوئی اللہ کی ناراضی سے بچے۔ گھروں میں ان کے دروازوں سے ہی آیا کرو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے؛ تاکہ کامیاب ہو جاؤ“۔

بدعت کا اصولی سد باب۔ ”نیکی“ لوگوں میں دین کے نام پر پروان چڑھ چکی کچھ رسموں اور طور طریقوں کا نام نہیں خواہ ان کے پیچھے کیسا ہی نیک جذبہ یا مذہبی اشیاء کی کیسی ہی تعظیم کیوں نہ پائی جاتی ہو۔ نیکی اصل میں خدا کی حدوں کی پابندی ہے جو شریعت کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ مستند اعمال عبادت کی روح ہے اور پرستش کا حسن۔ پس حج کے لیے عازمِ سفر ہو چکے شخص کو کسی ضرورت کے تحت گھر لوٹنا ہے تو اس کا دروازے سے گزر کر آنا مذموم ہے اور نہ گھر کے پچھواڑے سے داخل ہونا کوئی نیکی۔ دین میں معقول ترین رویے رکھنا دینِ آسمانی کی ایک نہایت خوب پہچان ہے۔ جبکہ خدا پرستی کے نام پر عجیب و غریب اور اوٹ پٹانگ رویے دینِ حق سے ایک سراسر بیگانہ حرکت۔ بھلے لوگوں کی طرح دروازوں سے گزر کر ہی گھروں میں داخل ہوا کرو؛ اور اصل چیز ان سب اعمال میں خدا خوفی کی روح کو قائم رکھنا ہے؛ اور یہی کامیابی کا اصل میدان۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ''اور لڑو اللہ کے راستے میں''۔

مدینہ ہجرت کر آنے کے بعد قتال کا باقاعدہ حکم۔ یہ اس وقت ہوا جب مسلمانوں کے پاس مطلوبہ قوت آگئی تھی۔ پیش ازیں ان کو ہاتھ روک رکھنے کا حکم تھا۔

قتال کو ''فی سبیل اللہ'' کے ساتھ مخصوص رکھا گیا۔ جس سے یہ ساری سرگرمی خاص اللہ کے لیے اور اس کے دین کو سربلند کرنے کے لیے مختص ہو جاتی ہے۔ قتال ایسے عمل میں ''اخلاص'' دراصل یہی ہے۔ ''فی سبیل اللہ'' کی شرط سے وہ قتال جو فتنوں کے وقت مسلمانوں کے آپس میں ہو جایا کرتا ہے خود بخود ساقط ہو گیا۔

الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ''ان لوگوں کے خلاف جو تم سے لڑنے والے ہیں''

یعنی جو تم سے قتال کے لیے مہیا ہیں۔ یعنی اُن کے مردانِ جنگی۔ نہ کہ اُن کے کمسن یا عمر رسیدہ یا عورتیں یا وہ لوگ جن کا جنگی صلاح مشورے یا لڑنے بھڑنے میں کوئی حصہ نہیں۔

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ''اور زیادتی نہ کرو۔ یقیناً اللہ زیادتی والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

زیادتی کی ممانعت میں ہر قسم کی زیادتی آجاتی ہے۔ مثلاً ایسے لوگوں سے لڑنا جو لڑنے والے نہیں مانند عورتیں، بچے، عبادت خانوں میں محصور مذہبی لوگ۔ یا مقتولین کا مُثلہ (بے حرمتی) کرنا۔ جانوروں کا قتل۔ بلاضرورت درخت کاٹنا وغیرہ۔ زیادتی ہی میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ ان لوگوں سے لڑا جائے جو جزیہ دینے پر آمادہ ہیں یا دے چکے ہیں۔

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ''مارو ان کو جہاں ان کو پاؤ، اور نکال دو ان کو جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا''۔

قتال کا کھلا حکم۔ ایسا دشمن جہاں بھی ہو اور جب بھی ہو، اور جس زمانے میں بھی ہو۔ خواہ دفاع کے طور اور خواہ ہجوم کے طور پر۔ کوئی استثناء رکھی تو وہ یہ کہ مسجد حرام کے پاس

نہ ہو۔ہاں مسجد حرام کے پاس صرف اس وقت جائز ہو گا جب وہ خود شروع کریں۔ تب ان کو اس جرم کی پاداش میں مارا جائے گا اور ایسی زیادتی کی صورت میں مسجد حرام کی حرمت ان کو مارنے میں مانع نہ ہو گی۔ یہ ہر وقت کے لیے ہے، تاوقتیکہ وہ اپنا کفر چھوڑ کر تائب نہ ہو جائیں۔ہاں تائب کے لیے اللہ غفورٌ رحیم ہے، خواہ اس سے پہلے انہوں نے کیسا ہی کفر یا شرک کیوں نہ کیا ہو اور مسلمانوں سے کیسی ہی جنگ کیوں نہ کرتے رہے ہوں۔ کیونکہ اصل مسئلہ یہاں کوئی بدلہ لینا یا انتقامی ہونا نہیں بلکہ اللہ کی عبادت کروانا اور اس کے دین کو قائم کرنا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلاَ تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاء الْكَافِرِينَ. فَإِنِ انتَهَوْاْ فَإِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. "(اس لیے کہ) فتنہ قتل سے بھی برا ہے۔اور نہ لڑنا اُن سے مسجد حرام کے پاس تاوقتیکہ وہ تم سے وہاں لڑیں۔ ہاں اگر وہ لڑیں تو انہیں مار ڈالو۔ یہی ہے جزا ایسے کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے"۔

چونکہ یہاں قتال (جنگ) کی ہدایت کی جا رہی ہے جس میں بظاہر ایک مفسدت نظر آتی ہے، اس لیے تنبیہ کی گئی کہ شرک کی بنیاد پر لوگوں کو فتنہ زدہ کرنا اور اللہ کے راستے سے روکنا اس سے کہیں سنگین بات ہے۔ لہٰذا ایک مخصوص صورت میں اگر مسجد حرام کے پاس بھی ہتھیار اٹھانے کی نوبت آ جائے تو اے مسلمانو تمہیں اس پر متردد یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

یہیں سے بڑی مفسدت کے مقابلے پر چھوٹی مفسدت کو اختیار کرنے کا شرعی قاعدہ بھی ثابت ٹھہرا۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّهِ "ان سے لڑتے رہو جب تک

سارا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور جب تک دین صرف اللہ کا نہ ہو جائے"۔

پھر ایک عظیم الشان حقیقت پر متنبہ کر دیا گیا: قتال فی سبیل اللہ جس چیز کا نام ہے وہ کوئی کافروں کو قتل کرتے پھرنا نہیں۔ نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی۔ مومن کا مطلوب و مقصود اس سے صرف یہ ہے کہ دین ایک اللہ کے لیے ہو جائے۔ اس کی تگ و دو اصل میں اس بات کے لیے ہے کہ اللہ کا دین باقی تمام ادیان پر غالب و ظاہر ہو جائے، اور اس کے راستے کی ہر رکاوٹ دور ہو جائے، خواہ وہ شرک ہو یا کچھ اور۔ اور یہی فتنہ سے اصل مراد ہے۔ ہاں یہ مقصود حاصل ہو جائے تو پھر نہ قتل جائز ہے اور نہ قتال۔

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ "جب تک کہ فتنہ ختم نہ ہو جائے"۔

فتنہ یعنی شرک۔ اس (مقام) کی یہ تفسیر کی ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے، ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے، ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے، مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے، سُدی رحمۃ اللہ علیہ نے، اور زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ نے۔[2] (دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

---

[2] اِس مقام اور سیاق میں "فتنہ" سے مراد شرک ہی ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سمیت اتنے سارے مفسرینِ سلف سے ماثور ہے۔ اسکی وحید الدین خانی تفسیر کہ یہاں تو صرف 'مذہبی تشدد' religious persecution کے خلاف تلوار اٹھوائی جا رہی ہے سیاقِ کلام اور تفسیرِ سلف بلکہ واقعہ ہی کے منافی ہے۔ گویا اگر وہ 'مذہبی تشدد' نہ ہوتا تو کوئی قتال نہ تھا! جزیرۂ عرب سے شرک کو آہنی ہاتھ سے ختم کر دینے کا آسمانی پروانہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ایک حقیقت ہے۔

جزیرۂ عرب کو بزورِ تلوار ہمیشہ کے لیے شرک سے پاک کر دینا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ائمۂ فقہ کے اختیار کردہ قول کی رُو سے، یہی تفسیر اس آیت کے تحت سب سے فٹ بیٹھتی ہے۔ جزیرۂ عرب سے ہر قسم کا شرک اور کفر بزورِ شمشیر مٹا دینے کا حکم تھا اور ہے۔ صرف مشرکینِ عرب نہیں بلکہ اہل کتاب کا کفر اور شرک بھی جزیرۂ عرب میں بہر حال نہیں رہنے دیا جائے گا۔

فَإِنِ انْتَهَوْا "پھر اگر وہ باز آ جائیں"

یعنی مسجد حرام کے پاس قتال کرنے سے دستکش ہو جائیں۔

فَلاَ عُدْوَانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِينَ "تو زیادتی جائز نہیں سوائے ظالموں پر"۔

تو پھر ان پر کوئی زیادتی نہ ہو، سوائے ان میں سے ایسے لوگوں کے جو ظلم پر ہی آمادہ ہوں، ہاں ایسے شخص کی گوشمالی اس کے ظلم کے بقدر ضروری ہے۔

(نوٹ: ہمارے ان قرآنی اسباق میں تفسیر سعدی کو بنیاد بنایا گیا۔ دیگر مراجع اضافی طور پر شامل ہوتے ہیں)

(حدیث لا يجتمع دينان في جزيرة العرب "جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں"، نیز حضرت عمرؓ کا خیبر کے یہود وغیرہ کو سرزمینِ عرب سے جلاوطن کرنا۔ بحوالہ موطا امام مالک)۔ جزیرۂ عرب میں مشرکینِ عرب کو ختم کر دینے کے بعد دیگر اہل مذاہب کو جزیہ کی شرط پر چھوڑ رکھنا ایک درمیانی مرحلہ کے لیے تھا۔ دولتِ اسلام کے مستحکم ہو جانے کے بعد، صحابہ رضی اللہ عنہم نے جزیہ کے احکام اہل کتاب اور مجوس وغیرہ پر بالعموم جزیرۂ عرب سے باہر ہی لاگو کیے۔

ہاں جزیرۂ عرب سے باہر جو جہاد ہو گا وہ شرک کا زور توڑنے تک رہے گا۔ یعنی کفر اور شرک کو اپنی قوت و جبروت اور اپنی انتظامی و تعلیمی و ابلاغی دھونس کے زور پر حیاتِ انسانی پہ اثر انداز ہونے (مفتون کرنے) کی پوزیشن پر حتی الامکان نہ چھوڑا جائے گا۔ مقصد یہ کہ جزیرۂ عرب کے باہر بھی شرک کی دھونس تو بہر حال ختم کی جائے گی، البتہ دولتِ اسلام کا زیر نگیں ہو کر اپنی ایک غیر مقتدر و غیر مسلط حیثیت میں اہل شرک کچھ بھی کرتے ہیں تو دنیا کی زندگی انہیں اس بات کی آزادی ہے، کیونکہ اصل معاملہ خدا کے پاس جا کر ہونا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے تلامذہ رحمۃ اللہ علیہم سے جزیرۂ عرب کے باہر کافر طاقتوں کے ساتھ علمی و عملی سطح پر یہی تعامل ماثور ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اِس پورے قتال کو دیکھا جائے جو جزیرۂ عرب میں اور پھر جزیرۂ عرب سے باہر افریقہ، یورپ، فارس، ماوراء النہر (وسط ایشیا) اور افغانستان تک ہوا، تو "فتنہ" سے مراد شرک ہی ہو گا، کہیں پر باعتبارِ وجود تو کہیں پر باعتبارِ سلطان۔ شرک سے جنگ بہر حال ہے۔